اسلامی اخوت
اور
اس کے تقاضے

مولانا سیّد جلال الدین عمری

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

امت مسلمہ اقامت دین اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لیے وجود میں آئی ہے۔ اس اعلیٰ اور ارفع مقصد کی تکمیل کے لیے اسے باہم اخوت اور نصرت و حمایت کی تعلیم دی گئی ہے۔ وہ اس پر کاربند ہو جائے تو اس کے بہت سے مسائل از خود حل ہو سکتے ہیں۔ افسوس ہے کہ وہ بڑی حد تک اسے فراموش کر چکی ہے۔ اس خاکسار نے اپنے ایک مضمون میں اس کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کی ہے۔ یہ مضمون آج سے بائیس برس قبل ماہنامہ زندگی نو نئی دہلی جنوری ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا تھا۔ اب نظر ثانی اور حذف و اضافہ کے بعد اسے کتابچہ کی شکل میں پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور جس مقصد کے لیے یہ تحریر کیا گیا ہے وہ پورا ہو۔

جلال الدین عمری

۱۰ر فروری ۲۰۲۲ء

اسلامی اخوت اور اس کے تقاضے

اللہ کے رسولوں کی راہ نمائی

اگر آدمی آنکھیں کھول کر دیکھے تو اسے پوری دنیا میں اللہ تعالیٰ کے رسولوں سے زیادہ مقدس اور پاکیزہ کردار انسان کوئی دوسرا نظر نہیں آئے گا۔ ایک مسلمان کا تو ان کے تقدس اور طہارت پر ایمان ہی ہے۔ ان کی زندگیاں اس کے لیے بہترین اسوہ ہیں۔ وہ ہر معاملہ میں انہیں سے ہدایت اور روشنی حاصل کرتا اور ان ہی کے نقوشِ قدم کی پیروی کو باعثِ سعادت سمجھتا ہے۔ اہل ایمان سے ان برگزیدہ بندوں کے تعلقات بتاتے ہیں کہ خود اہل ایمان کو ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

حضرت نوحؑ کا اہلِ ایمان سے تعلق

حضرت نوحؑ کی قوم حقارت کے ساتھ کہتی تھی کہ آپ کے اردگرد تو کچھ کم عقل، نادار اور خستہ حال لوگ جمع ہو گئے ہیں:

مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰی لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ (ہود: ۲۷)

ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ ہم میں جو رذیل ہیں وہی بے سوچے سمجھے تمہاری اتباع کر رہے ہیں۔ ہم تمہارے اندر اپنے سے برتری کی کوئی بات بھی نہیں دیکھتے، بلکہ ہم تو تم لوگوں کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔

حضرت نوحؑ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ جن انسانوں کو تم اپنی نادانی سے بے قیمت سمجھتے ہو، ایمان کی دولت نے انہیں گراں بہا بنا دیا ہے۔ تمہاری سطح بین نگاہیں ان کے مرتبہ ومقام کا اندازہ نہیں کر سکتیں۔ وہ بظاہر کم تر حیثیت کے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز اور محترم ہیں۔ وہ سوسائٹی کے لعل وگوہر ہیں۔ انہیں ضائع نہیں کیا جا سکتا۔ وہ تو اس قابل ہیں کہ انہیں سینہ سے لگایا جائے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ ان سے میرا تعلق نہ رہے تو یہ ناممکن ہے۔ اللہ کے ان نیک بندوں کو اپنے سے دور کر کے میں اسے کیا جواب دوں گا؟

وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

(ہود: ۲۹-۳۱)

میں ان لوگوں کو دھکے دے کر نہیں نکال سکتا جو ایمان لائے ہیں، وہ اپنے رب کے حضور جانے والے ہیں، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ جہالت برت رہے ہو، اے میری قوم کے لوگو! اگر میں ان لوگوں کو دھکے دے کر دور کر دوں تو خدا کی پکڑ سے مجھے کون بچائے گا...... میں یہ نہیں کہتا کہ جن لوگوں کو تمہاری نگاہیں حقارت سے دیکھتی ہیں اللہ تعالیٰ انہیں کوئی خیر نہیں عطا کرے گا۔ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اللہ اس سے بخوبی واقف ہے۔ اگر میں اس طرح کی بات کروں تو یقیناً میرا شمار ظلم کرنے والوں میں ہوگا۔

حضرت نوحؑ کا یہ بیان واضح کرتا ہے کہ سوسائٹی کے جو کم زور افراد ایمان قبول کرتے، اللہ کے پیغمبروں کا ان سے کتنا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ یہ تعلق وقت کے با اقتدار اور با اثر طبقہ کے طنز وتعریض اور استہزائی کے باوجود کبھی کم زور اور مضمحل نہیں ہوتا۔ وہ آزمائشوں میں ان کا ساتھ دیتے ہیں اور عسرت وتنگی اور مشکلات ومصائب میں ان کی ہر ممکن مدد کرتے ہیں، وہ کسی بھی مرحلہ میں ان سے بے تعلق نہیں ہوتے اور انہیں یکا وتنہا نہیں چھوڑتے۔ دنیا کے لیڈروں کی طرح اپنی آسائش وراحت کی تلاش میں انہیں دشمنوں کے حوالہ نہیں کرتے۔ وہ ان کے لیے سراپا ایثار ہوتے ہیں اور ان کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی حیثیت اہل ایمان کے ولی وسرپرست کی ہوتی ہے اور وہ ان کی ہم دردی اور خیر خواہی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے۔

رسول اللہ ﷺ کو اہلِ ایمان سے نرم روی کی ہدایت

رسول اللہ ﷺ کو ایک جگہ ہدایت فرمائی گئی:

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾ (الحجر:۸۸)

اپنی نگاہ اٹھا کر نہ دیکھیے اس سامانِ دنیا کی طرف جو ہم نے ان میں مختلف قسم کے لوگوں کو دیا ہے اور ان پر غم نہ کیجیے اور اپنی شفقت کا بازو اہل ایمان کے لیے جھکائے رہیے۔

قرآن مجید میں اس مفہوم کی اور بھی آیات ہیں۔ان کی معنویت کو بہتر طریقہ سے سمجھنے کے لیے ان تاریخی حالات کو سامنے رکھنا ہوگا جن میں وہ نازل ہوئیں۔ایک طرف مکہ کے اہل کفر وشرک تھے جن کے پاس افرادی قوت تھی، دولت وثروت تھی اور مذہبی اقتدار تھا، وہ ظلم کر سکتے تھے اور کر رہے تھے۔دوسری طرف مظلوم ومقہور اہل ایمان تھے۔ان کی ناداری اور بے سروسامانی آشکارا تھی، ان میں وہ غلام بھی تھے جو مکہ کے لیے غیر ملکی تھے اور جن کا اپنے عزیزوں سے رشتہ ٹوٹ چکا تھا، وہ آزاد بھی تھے جن کو ان کے خاندانوں نے کاٹ پھینکا تھا۔اس طرح جن قریب ترین افراد سے وہ حمایت ونصرت کی توقع کر سکتے تھے وہ توقع اٹھ چکی تھی۔ان حالات میں رسول اللہ ﷺ کو ہدایت کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے ان باغیوں کو طاقت اور اقتدار نے مدہوش کر رکھا ہے۔ان کو دنیا کی جو نوع بہ نوع آسائشیں اور راحتیں حاصل ہیں وہ اس قابل نہیں ہیں کہ آپ ان کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی دیکھیں۔آپ کا تعلق اہل ایمان سے قائم اور برقرار رہے۔آپ کی محبت اور ہم دردی ان سے کم ہونے نہ پائے۔ان کی محکومی اور مظلومی اور ان کی غربت اور افلاس اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ان کی زیادہ دل جوئی کی جائے۔یہ شکستہ دل زیادہ پیار اور محبت کے مستحق ہیں۔[1]

---

(۱) شفقت کے اس سلوک کے لیے آیت میں 'خفضِ جناح' کا محاورہ استعمال ہوا ہے۔ایک اور آیت میں ہے۔ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢١٥﴾ (الشعراء:۲۱۵) ''مومنوں میں سے جو تمہاری اتباع کر رہے ہیں ان کے لیے اپنے بازو نرمی سے جھکادو۔'' خفضِ جناح کے معنی ہیں پرندہ کا بلندی سے اترتے وقت اپنے بازوؤں کو ڈھیلا چھوڑ دینا اور سمیٹ لینا۔لسان العرب میں ہے: خفض الطائر جناحه ألانه وضمه الى جنبه ليسكن من طيرانه (خفض) اسی سے اس میں تواضع اور خاک ساری کے معنی پیدا ہوئے ہیں۔(ملاحظہ ہو الکشاف عن حقائق التنزیل: ۳۲۹/۴) پرندہ اس وقت بھی اپنے بازو پھیلاتا اور ڈھیلے چھوڑ دیتا ہے جب وہ اپنے بچوں کو ان میں سمیٹتا ہے۔اس سے شفقت، حسن تدبیر اور انتظام کا تصور ابھرتا ہے۔شیخ سلیمان الجمل کے حاشیہ جلالین میں ہے۔أى تواضع لهم وهذا كناية عن حسن التدبير والشفقة من خفض الطائر جناحه على الفروخ وضمها اليه ۶۶۱/۲۔نیز ملاحظہ ہو آلوسی: روح المعانی ۸۰/۱۴

یہی بات ایک دوسری جگہ ان الفاظ میں کہی گئی ہے:

وَاصۡبِرۡ نَفۡسَكَ مَعَ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِىِّ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ وَلَا تَعۡدُ عَيۡنٰكَ عَنۡهُمۡ ۚ تُرِيۡدُ زِيۡنَةَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَلَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهٗ عَنۡ ذِكۡرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰٮهُ وَكَانَ اَمۡرُهٗ فُرُطًا ۝۲۸ (الکہف:۲۸)

اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جمائے رکھیے جو اپنے رب کو اس کی رضا کی طلب میں صبح وشام پکارتے ہیں اور دنیا کی زیب وزینت کی تلاش میں اپنی نگاہیں ان سے نہ پھیریے۔ اس شخص کی بات نہ مانیے جس کے دل کو ہم نے اللہ کی یاد سے غافل کر دیا ہے، جو اپنی خواہش کے پیچھے چل رہا ہے اور جس کا معاملہ حد سے آگے بڑھا ہوا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ

یہ ہدایات مسلسل دی جارہی تھی اور آپ اہل ایمان کے لیے سراپا شفقت ومحبت بنے ہوئے تھے۔ اس کی شہادت خود قرآن مجید نے دی ہے۔ ارشاد ہے:

لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۝۱۲۸ (التوبۃ:۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے۔ تمہارا مشقت میں پڑنا اسے شاق گزرتا ہے وہ تمہاری بھلائیوں کا حریص ہے۔ ایمان والوں پر شفیق اور رحیم ہے۔

آیت کے پس منظر میں یہ کہا جارہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر پہچانو اور آپ کا احترام کرو۔ آپ کی قدر ناشناسی اپنے سب سے بڑے مخلص انسان کی ناقدرشناسی ہوگی۔ آپ کے خلوص کا حال یہ ہے کہ تمھیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو آپ کا دل درد اور کرب محسوس کرتا ہے۔ تمہاری ہدایت اور فلاح وبہبود کی شدید خواہش آپ کو ہر آن مضطرب اور بے چین کیے رہتی ہے۔ تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں ان کے لیے آپ سراپا رافت ورحمت ہیں۔ یہ کتنی بڑی بدنصیبی ہوگی کہ جس ہستی کے خلوص کا یہ عالم ہو اس کی نافرمانی کی جائے اور اس کی بات رد کر دی جائے۔ ایک جگہ اہل ایمان کے ساتھ آپ کے نرم رویہ کی ستائش ان الفاظ میں کی گئی ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران:۱۵۹)

اللہ کی رحمت ہی سے آپ ان کے لیے نرم مزاج واقع ہوئے ہیں۔ اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو وہ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔

یعنی اللہ کے فضل وکرم سے اہل ایمان کے ساتھ آپ کا رویہ لطف ومحبت کا ہے۔اس کا فائدہ یہ ہے کہ ان میں کا ایک ایک فرد آپ کے دامن سے چمٹے ہوئے ہے اور آپ پر جان دے رہا ہے۔اگر آپ سخت مزاج ہوتے اور انہیں آپ کی محبت نہ ملتی تو یہ سب منتشر ہو جاتے۔اس لیے کہ کسی بد خلق انسان کے اردگرد زیادہ دیر تک لوگ جمع نہیں رہ سکتے۔

منافقین آپ کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ان سازشوں کے کھل جانے کا خطرہ کبھی سامنے آتا تو یہ کہہ کر مطمئن ہو جاتے کہ آپ بھولے پن کی وجہ سے ہر ایک کی بات پر یقین کر لیتے ہیں اس لیے اعتراض ہو تو بڑی آسانی سے اپنے اخلاص اور نیک نیتی کا آپ کو یقین دلایا جاسکتا ہے۔قرآن مجید نے ان نادانوں کے بارے میں کہا:

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾ (التوبۃ:۶۱)

ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو نبی کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کانوں کے کچے ہیں۔ان سے کہہ دو کہ آپ وہی بات سنتے ہیں جو تمہارے حق میں بہتر ہو۔وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اہل ایمان پر اعتماد کرتے ہیں اور تم میں جو ایمان والے ہیں ان کے لیے وہ رحمت ہیں۔وہ لوگ جو اللہ کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

یہ آیتیں مختلف سیاق وسباق میں آئی ہیں،لیکن ان سب میں اس بے پناہ خلوص اور محبت کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ کو اپنی امت سے تھا۔آپ اس کے سچے خیر خواہ اور ہم درد تھے،اس کے لیے ہدایت اور خیر کے طالب تھے،اسے ہر طرح کے شر سے بچانا چاہتے تھے، دشمنوں اور بدخواہوں سے اس کی حفاظت کرتے تھے،کم زوروں کے عذرات قبول فرماتے اور ان کی کوتاہیوں کو درگزر فرماتے تھے۔رسول اللہ ﷺ کا یہی اسوہ امت کو اختیار کرنا چاہیے۔اس کے باہم تعلقات اسی طرح کے ہونے چاہیے جس طرح آپ کے تعلقات اہلِ ایمان سے تھے۔

اہل ایمان ایک دوسرے کے ولی ہیں

قرآن مجید نے اہل ایمان کے بارے میں فرمایا:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ (التوبۃ:۷۱) مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے ولی ہیں۔

یہ آیت اہل ایمان کو ایک دوسرے کا ولی قرار دیتی ہے۔ ولی کا لفظ بڑا وسیع المعنیٰ ہے۔ اس میں سرپرستی، قرابت اور ہم سایگی کا تصور ہے۔ نصرت اور حمایت اور کسی کی ذمہ داری اٹھانے کا مفہوم بھی اس میں پایا جاتا ہے۔(۱)

اہل ایمان کے بارے میں قرآن مجید نے فرمایا: 'رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ' (الفتح:۲۹) وہ ایک دوسرے کے لیے رحیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحمن ورحیم ہے۔ اس کی رحمت پوری دنیا پر چھائی ہوئی ہے۔ یہاں کی ہر چیز اس سے بقدرِ ظرف فیض یاب ہے۔ انسانوں میں اس کی رحمت کا ظہور ماں کی مامتا اور باپ کے اخلاص کی شکل میں ہوتا ہے۔ خاندان کے افراد اسی جذبۂ رحمت کی وجہ سے ایک دوسرے کے لیے قربانیاں دیتے ہیں۔ اہل ایمان کے درمیان رحمت کا یہی جذبہ خونی رشتوں کی سی وابستگی پیدا کرتا ہے اور ان کے لیے خدمت اور ایثار و قربانی کی راہیں آسان ہو جاتی ہیں۔

ایک جگہ اہل ایمان کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلاتے ہوئے فرمایا گیا کہ اگر تم اللہ کے دین سے روگردانی کرو گے تو وہ اپنے دین کی حمایت کے لیے کچھ دوسرے افراد کھڑے کر دے گا جن میں وہ اعلیٰ خصوصیات ہوں گی جو مطلوب ہیں۔ ان میں سے ایک ہے 'اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ' (المائدۃ:۵۸) اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایمان والوں کے ساتھ تواضع اور خاک ساری کا رویہ اختیار کریں گے اور ان کے مقابلہ میں اپنی بڑائی اور عظمت کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔ یہ نرمی اور عاجزی کسی کم زوری کی وجہ سے نہ ہوگی بلکہ اس کا محرک عزت و احترام کا جذبہ ہوگا۔ وہ ایمان کی عظمت سے واقف اور اس کے قدرداں ہوں گے اور اہل ایمان کو سینے سے لگائیں گے۔

---

(۱) ملاحظہ ہو راغب: مفردات القرآن، مادہ ولی

اسلامی اخوت

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم کیا ہے۔ اسلام کے زیر سایہ وہ سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ ان کا نفع ونقصان اس قدر مشترک ہے کہ انہیں کاٹ کر الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝۱۰	مسلمان تو سب بھائی ہیں۔ پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کردیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔
(الحجرات:۱۰)	

بھائی ہونے کے بڑے وسیع تقاضے ہیں۔ اس میں محبت والفت، تعاون وتناصر، نصح وخیر خواہی جیسی بہت سی خوبیاں آجاتی ہیں۔ اس اخوت کا ایک تقاضا یہاں یہ بیان ہوا ہے کہ ان میں نزاع پیدا ہونے نہ دیا جائے اور اختلاف وانتشار سے انہیں بچایا جائے۔ اس لیے کہ اختلاف وانتشار کے بعد محبت، نفرت میں اور قربت، دوری میں تبدیل ہوجاتی ہے، جڑے ہوئے دلوں میں شگاف پڑنے لگتے ہیں اور جذبۂ اخوت مجروح ہوتا چلا جاتا ہے، اس لیے معاشرہ پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی کہ جہاں اختلافات رونما ہوں انہیں دور کرنے کی کوشش کی جائے اور یہ کوشش خداترسی اور تقویٰ کے جذبہ سے ہو۔ اس میں ذاتی مفادات اور دلچسپیوں کو حائل ہونے نہ دیا جائے۔ اس سیاق میں اس حکم سے کہ اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادو، صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے دو گروہوں اور جماعتوں کے اختلافات کو رفع کرنے کی کوشش بدرجۂ اولیٰ تقویٰ اور خداترسی کا تقاضا ہے۔

احادیث میں اخوت اسلامی کی تعلیم

مسلمانوں میں جو اخوت ہونی چاہیے اور جس قسم کے تعلقات ان کے درمیان پائے جانے چاہییں، احادیث میں اسے زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترى المؤمنين فى تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد إذا اشتكى عضو تداعىٰ له سائر جسده بالسهر والحمى۔ (۱)

تم مومنوں کو دیکھو گے کہ وہ ایک دوسرے پر رحم کرنے، ایک دوسرے سے محبت کرنے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے میں ایک جسم کی طرح ہیں۔ جب ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو اس کے لیے وہ جسم کے تمام اعضاء کو بے خوابی اور بخار کی دعوت دینے لگتا ہے۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ کی یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ بھی آئی ہے:

المسلمون كرجل واحد إن اشتكى عينه اشتكى كله وإن اشتكى رأسه اشتكى كله۔ (۲)

مسلمان سب ایک فرد کے مانند ہیں۔ اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہو تو اس کا پورا جسم تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (اسی طرح) اگر سر میں تکلیف ہو تو اس کا پورا جسم تکلیف میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

ان حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ امت جسدِ واحد یا شخصِ واحد کی طرح ہے اور افراد امت اس کے اعضاء کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آدمی کے ہاتھ، پیر، سر، سینہ کسی بھی حصۂ جسم میں درد ہو تو وہ اس سے بے خبر نہیں ہوتا، بلکہ اسے پوری طرح محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح امت کو اس کے ایک ایک فرد کے درد و کرب کو محسوس کرنا چاہیے اور اس کے ازالہ کی کوشش کرنی چاہیے۔

حدیث میں تراحم، توادو، اور تعاطف کے الفاظ آئے ہیں۔ گو یہ سب ہم معنیٰ ہیں، لیکن ان میں تھوڑا سا فرق بھی بیان کیا گیا ہے۔ تراحم کے معنیٰ ہیں دینی اخوت کی بنا پر اخلاص کے جذبہ سے ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور ہم دردی سے پیش آنا۔ رحم کے ساتھ حسن سلوک اور خدمت کا تصور لازماً پایا جاتا ہے۔ 'توادو' کے لفظ میں باہم جذبۂ محبت کو تقویت پہنچانے کا تصور ہے۔ اس مقصد سے بے تکلف ملاقاتیں، تحفے تحائف کا رواج، دکھ سکھ میں شرکت اور اسی نوعیت کی دوسری چیزیں مفید ہیں۔ تعاطف، کے اندر مضبوط کرنے کا تصور ہے۔ یہ کام ایک دوسرے کے تعاون کے ذریعہ ہوسکتا ہے۔ (۳)

---

(۱) بخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الناس والبھائم۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تراحم المومنین الخ۔
(۲) بخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الناس والبھائم۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تراحم المومنین الخ۔
(۳) فتح الباری: ۳۳۸/۱۰

ایک حدیث میں ارشاد ہوا کہ مسلمان سارے کے سارے ایک عمارت کے مانند ہیں۔جس طرح اس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ کو مستحکم اور مضبوط کرتی ہے اسی طرح مسلمانوں میں ہر فرد دوسرے کی تقویت کا باعث ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا ثم شبّك بين أصابعه۔ (۱)

مومن کے لیے مومن عمارت کی طرح ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کو مستحکم کرتا ہے۔ پھر آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ملا کر دکھایا (کہ اس طرح مسلمان جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔)

کوئی بھی عمارت اس وقت تیار ہوتی اور اپنی جگہ قائم رہتی ہے جب کہ اس کی اینٹیں ایک دوسرے کا بوجھ اٹھاتی اور اس کا سہارا بنتی ہیں۔ اگر کوئی ایک اینٹ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو عمارت کے استحکام کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ پوری عمارت مستحکم ہوگی تو اس کا مقصد پورا ہوگا۔سردی گرمی سے اس میں رہنے والے محفوظ ہوں گے اور وہ ان کے لیے آرام دہ ثابت ہوگی۔ ایسی عمارت کو باہر چلنے والے طوفان نقصان نہیں پہنچا سکتے۔وہ آسانی سے ان کا مقابلہ کر سکے گی۔ امت کے افراد بھی باہم مربوط ہوں اور ایک دوسرے کو سہارا دیں تو وہ ایک مضبوط عمارت بن سکتے ہیں۔اس سے انہیں دین اور دنیا کے بے شمار فائدے حاصل ہوں گے اور باہر کی کوئی حریف طاقت انہیں نقصان نہ پہنچا سکے گی۔

مسلمانوں کے اندر جو اجتماعیت مطلوب ہے، اس کے لیے باہمی تعاون وتناصر ایک لازمی جز کی حیثیت رکھتا ہے۔اس کے بغیر اسلامی اجتماعیت کا کوئی تصور نہیں ہے۔

حجۃ الوداع کے خطبہ میں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو یاد دلایا کہ جس طرح حج کا یہ دن اس مہینہ اور اس شہر مکہ میں مقدس اور محترم ہے، اسی طرح ہر مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کی جان مال اور عزت وآبرو بھی تقدس اور احترام کی حامل ہے۔ یہ حرمت وقتی نہیں بلکہ ابدی ہے اور قیامت تک کے لیے ہے۔ کسی فرد کو حق نہیں ہے کہ کبھی اسے پامال

---

(۱) بخاری، کتاب الادب، باب تعاون المومنین بعضہم بعضا۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تراحم المومنین الخ۔ حدیث کا آخری فقرہ مسلم میں نہیں ہے۔

کرے۔ آپ نے فرمایا:

إن دمائكم وأموالكم وأعراضكم عليكم حرام كحرمة يومكم هٰذا في بلدكم هٰذا في شهركم هٰذا وفي رواية إلى يوم تلقون ربكم۔

بے شک تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں سب تمہارے لیے محترم ہیں۔ جس طرح کہ تمہارا یہ دن تمہارے اس شہر میں اور تمہارے اس مہینہ میں محترم ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ حرمت قیامت تک کے لیے ہے جب کہ تم اپنے رب کے دربار میں حاضر ہوگے۔

اسی حدیث میں آتا ہے کہ یہ ارشاد آپ نے بار بار دہرایا اور فرمایا کہ کفر کا راستہ اختیار نہ کرو کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگ جاؤ۔ (۱)

اسلام ایک مسلمان کے اندر جو خاص خوبیاں دیکھنا چاہتا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ دوسرے مسلمانوں کے جان و مال محفوظ ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده۔ (۲)

مسلمان (کامل) وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

مطلب یہ کہ ایک بہتر اور برتر مسلمان کا تصور ہی یہ ہے کہ کسی مسلمان کے خلاف اس کی زبان نہ کھلے اور اس کا ہاتھ نہ اٹھے۔ اسے برا بھلا نہ کہے، اس کی بدگوئی نہ کرے، اس کے خلاف سازش نہ کرے، اسے زدوکوب نہ کرے اور اس کی خوں ریزی سے بچے۔ غرض یہ کہ اسے کسی بھی طرح کی ضرر رسانی سے احتراز کرے۔ زبان اور ہاتھ ہی سے زیادہ تر تکلیف پہنچتی ہے، اس لیے حدیث میں خاص طور پر ان کا ذکر کیا گیا ہے ورنہ اصلاً جو بات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے کبھی کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے۔

(۱) بخاری، کتاب الحج، باب الخطبۃ ایام منی۔ مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبیؐ

(۲) بخاری، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون۔ مسلم، کتاب الایمان، باب تفاضل الاسلام الخ۔ بخاری کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے: والمہاجر من ہجر ما نہی اللہ عنہ، (مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دے جنہیں اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔)

یہی حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے۔اس میں یہ اضافہ ہے۔

والمؤمن من أمنه الناس علی دمائهم وأموالهم۔[1]

مومن (کامل) وہ ہے کہ لوگ اپنی جان اور مال کو اس سے محفوظ سمجھیں اور اس سے بے خوف ہوں۔

یہاں مسلم کی جگہ مومن کا لفظ اس کے مترادف کے طور پر استعمال ہوا ہے اور اس کی خاص پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ لوگ اپنی جان و مال کے معاملہ میں اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ان کے نزدیک وہ امانت دار اور صاحبِ اعتبار ہوتا ہے۔اس کی طرف سے وہ کسی طرح کا خطرہ نہیں محسوس کرتے۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کے درمیان اخوت کا جو رشتہ قائم کر دیا ہے اس کا تقاضا صرف یہی نہیں ہے کہ اس پر ظلم نہ کیا جائے، بلکہ یہ بھی ہے کہ اسے ظالموں اور سرکشوں کے حوالہ نہ کیا جائے اور جور وستم سے اس کی حفاظت کی جائے، اس کی مشکلات دور کی جائیں اور اس کی ضروریات پوری کی جائیں۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

المسلم أخوالمسلم لایظلمه ولایسلمه ومن کان فی حاجة أخیه کان الله فی حاجته ومن فرج عن مسلم کربة فرج الله عنه کربته من کربات یوم القیامة ومن ستر مسلما ستره الله یوم القیامة۔[2]

مسلمان بھائی ہے مسلمان کا۔وہ نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے کسی (ظالم) کے حوالہ کرتا ہے۔جو شخص اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں ہوتا ہے۔جو شخص کسی مسلمان کی (دنیا کی) کوئی تکلیف دور کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف اس کی دور کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی پردہ پوشی کرے گا۔

مسلمان کی مشکلات ومصائب کو دور کرنے اور وقت ضرورت اسے مدد فراہم کرنے کا

(۱) ترمذی، ابواب الایمان، باب ماجاء المسلم من سلم المسلمون الخ۔نسائی، کتاب الایمان وشرائعہ، باب صفة المومن۔

(۲) بخاری، کتاب المظالم، باب لایظلم المسلم المسلم۔مسلم، کتاب البر والصلة باب تحریم الظلم۔

اجر وثواب حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں اس طرح بیان ہوا ہے۔فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا:

من نفس عن مؤمن كربة من كرب الدنيا نفّس الله عنه كربة من كرب يوم القيامة ومن يسّر على معسر يسّر الله عليه فى الدنيا والآخرة ومن ستر مسلماً ستره الله فى الدنيا والآخرة والله فى عون العبد ماكان العبد فى عون أخيه۔(۱)

جوشخص کسی مومن سے دنیا کی کوئی تکلیف دور کرے اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور فرمائے گا۔ جوشخص کسی مشکل میں پھنسے ہوئے کے لیے آسانی فراہم کرے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے لیے آسانی فراہم کرے گا۔ جوشخص کسی مسلمان کی ستر پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی ستر پوشی فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں ہوتا ہے جب تک کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔

اخوتِ اسلامی کے تقاضے

احادیث میں اخوت اسلامی کے تقاضے تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔صحیح مسلم کی روایت ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لاتهجروا ولاتدابروا ولا تجسسوا ولا يبع بعضكم على بيع بعض وكونوا عباد الله إخوانا۔(۲)

ایک دوسرے کی بدگوئی نہ کرو، قطع تعلق نہ کرو۔کسی کے عیب نہ تلاش کرو۔کاروبار میں (نقصان پہنچانے کی غرض سے) کسی کی بولی پر بولی نہ لگاؤ۔اللہ کے بندے اورآپس میں بھائی بن کر رہو۔

---

(۱) مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن۔

(۲) مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم الظن والتجسس، حدیث نمبر ۲۵۶۳

اس روایت میں اس نوعیت کی بعض اور ہدایات بھی موجود ہیں۔ ان سب کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اخوت کا رشتہ مستحکم ہو اور وہ بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے خیر خواہ بن کر رہیں۔

ایک حدیث میں اسلامی اخوت کے تقاضے کسی قدر تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور بلند آواز سے فرمایا:

یامعشر من قد أسلم بلسانه ولم یفض الإیمان إلی قلبه، لاتؤذوا المسلمین ولا تعیروهم ولا تتبعوا عوراتهم، فإنه من تتبع عورة أخیه المسلم تتبع الله عورته، ومن تتبع الله عورته یفضحه ولو فی جوف رحله۔

اے گروہِ مسلمین جو اپنی زبان سے تو ایمان لایا لیکن ایمان اس کے دلوں میں جاگزیں نہیں ہوا۔ مسلمانوں کو ایذا مت دو۔ کسی کی غلط حرکت پر طعنہ مت دو۔ ان کی کم زوریوں کے پیچھے نہ پڑو۔ اس لیے کہ جو کسی مسلم بھائی کی کم زوری کے پیچھے پڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی کم زوری کا پیچھا کرتا ہے اور اسے رسوا کر دیتا ہے چاہے وہ اپنے گھر کے صحن ہی میں رہے۔

اسی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک روز کعبہ کو دیکھا اور کہا: تیری عظمت کتنی بلند ہے اور تیری حرمت کتنی زیادہ ہے، لیکن ایک مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تجھ سے زیادہ حرمت اور عزت والا ہے۔[1]

اہل ایمان کا باہم مطلوبہ تعلق

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کے تعلق سے جو ذہن و مزاج ہونا چاہیے اور اسے جس طرح سوچنا چاہیے اسے حضرت انسؓ کی ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ رسول اللہ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

---

(۱) ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی تعلیم المومن، حدیث نمبر ۲۰۳۲۔ (یہ حدیث مسند احمد میں بھی مختصراً آئی ہے۔)

لایؤمن أحدکم حتی یحبّ لأخیه مایحبّ لنفسه۔[1]

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوگا تا آنکہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

مسلمان اپنے لیے دین وایمان، صحت وسلامتی، سکون وراحت، عزت ووقار غرض دنیا اور آخرت کی سب ہی بھلائیوں کا طالب ہوتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا ہے کہ اسے دنیا وآخرت میں محرومیوں سے دوچار ہونا پڑے۔ اسی طرح وہ معاشرہ سے ہم دردی، خیر خواہی، نیک کاموں میں تعاون، حسن سلوک اور مختلف معاملات میں صحیح مشورہ اور راہنمائی کی توقع کرتا ہے۔ حدیث کہتی ہے کہ یہی خواہش اور کوشش اس کی اپنے دوسرے بھائی کے سلسلے میں ہونی چاہیے۔ ورنہ یہ ایمان کے نقص کی دلیل ہوگی۔

اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو علمی اور عملی صلاحیتوں سے نوازا ہے فارغ البالی عطا کی ہے، دینی اور اخلاقی برتری دی ہے تو وہ ان کا زوال کبھی پسند نہیں کرتا بلکہ ان میں اضافہ اور ترقی کا آرزومند ہوتا ہے اور اس کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ حدیث کا تقاضا یہ بھی ہے کہ کسی دوسرے کو یہ چیزیں حاصل ہوں تو اس کا مسلمان بھائی حسد نہ کرے، یہ تمنا نہ کرے کہ ان چیزوں سے وہ محروم ہوجائے بلکہ اس سے خوشی اور مسرت محسوس کرے۔

اسی طرح آدمی اپنے لیے مرض، غربت، جہالت، ضرر ونقصان، بے وقری اور بدنامی جیسی حالت کو ناپسند کرتا ہے۔ مومن کی شان یہ ہے کہ اپنے کسی دوسرے بھائی کا ان مشکلات اور پریشانیوں میں گرفتار ہونا بھی اسے ناگوار گزرے اور وہ اس کے لیے خیر اور بھلائی کی دعا کرے اور اس میں جو مدد کرسکتا ہے اس سے دریغ نہ کرے۔

جہاں یہ جذبہ موجود ہو وہاں حسد، بغض، نفرت اور عداوت جیسے ناپاک جذبات پرورش نہیں پاسکتے اور ایک مسلمان صحیح معنیٰ میں دوسرے کا مخلص بھائی بن کر اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی کوشش کرے گا۔ یہی مطلوب ہے اور اسی کی اسلام نے تعلیم دی ہے۔

---

(۱) بخاری، کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحبّ لاخیہ الخ۔ مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من خصال الایمان الخ۔